کلوروفل اور قرآن

قرآن اور علم نباتات

(۷)

از جناب مولوی محمد شہاب الدین صاحب ندوی فرقانیہ اکاڈمی بنگلور نار تھ

"خضر" ربوبیت کا ایک شاہکار | غرض انہی ہرے رنگ کے ذرّات کی بدولت، جن کو آپ چاہے "خضر" کہیے یا کلوروپلاسٹ – پیڑ پودوں کی پتیاں سبز دکھائی دیتی ہیں اور یہی وہ مشین قسم کے حیرت ناک ذرّات ہیں جو فضا سے کاربن ڈائی آکسائڈ اور زمین سے پانی جذب کر کے سورج کی روشنی کی مدد سے[1] کاربوہائیڈریٹ سے بھرپور ہر قسم کی غذا تیار کر دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ انتہائی درجہ حقیر اور ننھے ننھے ذرّات جو صرف کسی خوردبین ہی کی مدد سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ دنیا کی بڑی سے بڑی مشین تک کو شرما دینے والے بلکہ درحقیقت ایک چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں ظاہر ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی اور عظیم الشان مشینیں لبا اوقات ناکارہ ہو کر

---

[1] اس تعامل یا عمل باہمی کو نباتیات کی اصطلاح میں "ضیائی ترکیب" یا PHOTO SYNTHESIS کہتے ہیں۔ کاربوہائیڈریٹ کی تیاری کا یہ عمل صرف دن کے وقت اور سورج کی روشنی ہی میں ممکن ہے۔

یا کسی خرابی کی بنا پر رک جاتی ہیں۔ مگر کارخانۂ قدرت کی یہ ننھی منی اور حیرت انگیز مشین بغیر کسی خرابی کے، بغیر کسی شور و غل کے، رُکے بغیر، تھکے بغیر، نہایت درجہ خود کارانہ طریقے سے مہینوں اور برسوں مسلسل اور لگاتار مصروفِ عمل رہ کر "لاڈلے اور پیارے" انسان اور دیگر مخلوقات کی غذا تیار کر دیتی ہے[1]۔ مگر یہ لاڈلا اور پیارا بجائے اسکے کہ اپنے رازق اور رب کریم کی طرف ملتفت ہوتا اور اس کا شکریہ ادا کرتا۔ اُلٹے اس کے وجود ہی کا انکار کر کے ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے کبھی تو کہتا ہے کہ اس کارخانۂ فطرت کا کوئی خالق و ناظم ہی نہیں ہے اور یہ سارے دقیق اور حیرت انگیز انتظامات آپ سے آپ چل رہے ہیں اور کبھی اس کو فلاں اور فلاں دیوی دیوتا کا صدقہ بتاتا ہے۔ یا کبھی طرح طرح کے عذر لنگ بیان کر کے اپنا دامن چھڑانا چاہتا ہے۔

یا ایھا الانسان ما غرک بربک الکریم الذی خلقک فسوٰک فعدلک۔

اے انسان تجھے کس چیز نے برگشتہ کیا اپنے اس مہربان رب سے جس نے تجھ کو پیدا کیا پھر تیرے اعضا کو درست کیا پھر (تیری خلقت میں) اعتدال بخشا (الانفطار: ۶-۷)

فلینظر الانسان الی طعامہ۔ انا صببنا الماء صبا۔ ثم شققنا

---

[1] ولقد کرمنا بنی آدم وحملنٰھم فی البر والبحر ورزقنٰھم من الطیبات وفضلنٰھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا۔ اور ہم نے آدم کی اولاد کو یقیناً عزت بخشی اور انہیں بر و بحر میں سواریاں عطا کیں اور (خور و نوش) کی عمدہ عمدہ چیزوں سے انہیں نوازا اور بہت سی مخلوقات پر انہیں کلی فضیلت بخشی (بنی اسرائیل: ۷۰)

الارض شقاً۔ فانبتنا فیہا حبّاً۔ وعنباً وقضباً وزیتوناً و نخلاً وحدائق غلباً وفاکہۃً وابّاً۔ متاعاً لکم ولانعامکم۔

پس انسان کو اپنے کھانے کی طرف نظر کرنی چاہیے (کہ وہ کس طرح اس کے ہاتھوں تک پہنچا ہے! حقیقت یہ ہے کہ) ہم نے عجیب طریقے سے) خوب پانی برسایا۔ پھر زمین کو پھاڑا، پھر ہم نے اس میں غلہ، انگور، ترکاری، زیتون، کھجور اور گنجان باغ، میوے اور چارہ سب کچھ پیدا کر دیا۔ تمہارے لیے بھی اور تمہارے مواشی کے لیے بھی (عبس: ۲۵-۳۲)

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

کلوروفل اور علم انسانی:- واضح رہے کہ پروٹوپلازم کی تحقیق کا آغاز اٹھارویں صدی کے اختتام کے قریب ہوا ہے۔ جبکہ پروٹوپلازم پر مشتمل خلیوں (CELLS) کی اصل شکل و ساخت دو سائنس دانوں کی کوششوں کی بدولت منظر عام پر آئی۔ مگر پروٹوپلازم کی اصل ماہیت اور ایک زندہ و متحرک مادہ کی حیثیت سے اس کا تعارف پہلی بار ۱۸۵۱ء میں ایک جرمن سائنس داں (HUGO VON MOHL) نے کرایا۔ اور اسی نے اس مادہ کا نام پروٹوپلازم تجویز کیا[1] جس کو "مادۂ حیات" بھی کہا جا سکتا ہے۔ پروٹوپلازم پر جب مزید تحقیق ہوئی تو کلوروفل اور کلوروپلاسٹ کے حقائق بھی سامنے آئے۔ جو

---

[1] A SCHOOL BOOK OF BIOLOGY, P 134, LONDON. 1945

پروٹوپلازم کے لغوی معنی "پہلی شکل" کے ہیں چونکہ یہ "زندگی" کی پہلی اور ابتدائی شکل ہے اس لیے اس کو یہ نام دیا گیا۔ اس کا ترجمہ "تخمایہ" کے لفظ سے کیا جاتا ہے۔

نباتاتی پروٹوپلازم کا جزو ہوتے ہیں، جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔

بہرحال انیسویں صدی سے قبل پروٹوپلازم اور کلوروپلاسٹ کے حقائق علم انسانی سے مستور یا عالم غیب کی بات تھے اور ان اسرار سربستہ تک انسان کی رسائی صرف سوا سو سال قبل ہی ہو سکی ہے۔ مگر کتاب برحق میں اس ازلی حقیقت کو چودہ سو سال قبل ہی پوری طرح بے نقاب کیا جا چکا ہے۔ جو اس کے کلام الٰہی ہونے کا ایک زبردست اور ناقابلِ انکار ثبوت ہے۔

فذرنی ومن یکذب بھذا الحدیث سنستدرجھم من حیث لا یعلمون :۔

بس جو اس کلام کو جھٹلاتے ہیں ان کو (اسی حالِ موجودہ پر) رہنے دو۔ ہم ان کو بتدریج (عذاب کی طرف) لیے جا رہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں (قلم: ۴۴)

بعض غلط فہمیوں کا ازالہ :۔ بعض کاہل اور کوتاہ بینوں کا کہنا ہے کہ قرآن مجید تو محض ایک سیدھی سادی اور سپاٹ قسم کی کتاب ہے جس کو علوم و حقائق سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہو سکتا اور نہ ہونا چاہیے۔ اس میں کائنات کے اسرار و رموز کی تلاش فضول ہی نہیں بلکہ ذہنی عیاشی بھی ہے۔ مثلاً ایک صاحب رقمطراز ہیں :۔

" قرآن شریف میں مناظر و مظاہر قدرت، چاند، سورج، ستارے، دریا، سمندر وغیرہ اور ان کے حرکات و فوائد کا مفہوم بس اتنا ہی ہے کہ جیسا وہ بظاہر نظر آتے ہیں۔ طبیعات، ہیئت اور دیگر علوم قرآن کے موضوع سے باہر ہیں۔ موجودہ علوم سے ان کی تاویل میں سمجھتا ہوں کہ محض جولانئ طبع کا مظاہرہ ہے جس طرح اگلے زمانے میں قدیم یونانی فلسفہ اور سائنس کے مفروضے پر آیاتِ قرآنی

کی تفسیر اور تشریح میں اپنا وقت ضائع کیا گیا تھا۔ اسی طرح آج یہ کوشش بھی ایسی ہی ہے۔ مثال کے طور پر یونانی فلسفہ "عقلِ اول" کو نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم (اوّل ماخلق اللہ نوری الحدیث کی بنیاد پر) بنایا گیا تھا۔

سماوات، عرش وکرسی اور افلاک کی تشریح بھی اسی انداز میں کی گئی تھی کہ اللھم احفظنا۔ اس وقت اسماعیل میرٹھی کی حمد کا ایک شعر یاد آیا ہے۔

پیروں تلے بچھایا کیا خوب فرشِ خاکی

اور سر پہ لاجوردی کیا سائباں بنایا

اگر کوئی صاحب فرش خاکی اور لاجوری سائباں کی سائنسی تشریح کرنے بیٹھ جائیں تو اسماعیل میرٹھی اور ان کے شعر پر کتنا ظلم ہوگا۔ بلا تشبیہہ قرآن کے ساتھ بھی ماضی میں اور آج بھی ایسی ہی زیادتی ہو رہی ہے۔ جس پہ زائد از زائد نیک نیتی کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔ اور کوئی ان امور پر ٹوکنے والا سامنے نہیں آتا بلکہ عام مسلمان یہ پڑھ کر بہت خوش ہوتا ہے کہ "اچھا ہمارے قرآن میں سائنس نے آج کل جو معلومات حاصل کی ہیں وہ سب موجود ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ"

اتنا وقت، اتنا پیسہ اور اتنی ذہنی کاوش کسی خلائی کارنامہ کسی سائنسی ایجاد میں صرف ہوتی۔ کوئی مسلمان فرد یا ادارہ یا ملک کوئی نئی ایجاد کرتا، کوئی نیا نظریہ پیش کرتا تو بڑا کارِ خیر ہوتا۔ سائنس دانوں کی دریافتوں اور ایجادوں کو خواہ مخواہ قرآن اور حدیث میں ڈھونڈنے کی کوشش میں اپنی صلاحیتوں کو ضائع کرنا میری دانست میں محض ذہنی عیاشی ہے۔

خود لکھا، خود پڑھا اور خود ہی خوش ہو لیے۔ نہ تو دنیا کو کوئی فائدہ پہنچا یا اور نہ مسلمانوں کو اور نہ ہی اس سے کسی غیر مسلم کو اسلام کی روشنی ملی۔

قافلے منزل کی جانب بڑھ رہے ہیں، اور ہم لوگ گرد قافلہ کی قرآنی تشریح پر مقالے ایک جگہ بیٹھ کر لکھ رہے ہیں اور انتظار کر رہے ہیں کہ پھر کوئی قافلہ گزرے اور ہم حالات قلم بند کریں؟

میں نے پچھلے اور اگلے صفحات میں جو کچھ بھی تحریر کیا ہے ان کے بغور مطالعہ سے اگرچہ مذکورۂ بالا غلط فہمیاں خود ہی رفع ہو جاتی ہیں۔ لیکن پھر بھی تنقیح کے طور پر چند باتوں کی مختصر طور پر وضاحت کی جاتی ہے۔ اور فیصلہ اہلِ علم والصاف پر چھوڑا جاتا ہے۔

۱۔ موصوف نے اس موقع پر فلسفہ اور سائنس کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ حالانکہ ایک طالبعلم بھی بخوبی جانتا ہے کہ فلسفہ محض قیاسات اور ظنیات پر مبنی ہوتا ہے، جس کا تجربہ و مشاہدہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس سائنس اُس علم و فن کا نام ہے جو مشاہدہ و تجربہ اور استقراء (INDUCTION) کی بنیاد پر وجود میں آتا ہے۔ اگرچہ سائنس میں بھی بعض چیزیں (جیسا کہ تفصیل گزر چکی) نظری (THEORETICAL) ہوتی ہیں۔ جن میں اکثر ردوبدل ہوتا رہتا ہے۔ مگر اس کے زیادہ تر مسائل وہ ہیں جو تجربہ و اختیار میں پوری طرح ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا موصوف نے "عقل اول" وغیرہ جن چیزوں کا حوالہ دیا ہے۔ ان کا تعلق فلسفہ سے ہے، سائنس سے نہیں۔ نیز اس سلسلہ میں اگر کچھ قدماء اور مفسرین نے غیر محتاطانہ طور پر قرآن اور حدیث کے کچھ نصوص کی غلط تاویل و تعبیر کر دی ہے تو اس کی سزا ہم کیوں بھگتیں؟ ہماری کوشش تو یہ ہونی چاہیے کہ ماضی کی خامیوں اور فروگزاشتوں سے سبق حاصل کرتے ہوئے اصول صحیحہ (لغت، عربیت، اور تفسیری ضوابط) کی رُو سے صحیح انداز اور صحیح طریقہ اختیار کریں۔ صحیح اصولوں کے تحت جو تفسیر کی

جائے گی۔ اس کے غلط ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں رہتا۔

۲۔ اسمٰعیل میرٹھی نے اپنی کسی کتاب میں اگر شاعری کی ہو تو کی ہو مگر کلام ربانی پر اس قسم کا اطلاق ایک بہت بڑی جسارت اور نا معقول بات ہے جس کا ارتکاب سوائے مشرکین مکہ کے غالباً اب تک کسی نے بھی نہیں کیا ہے۔ علماء اور محققین کے نزدیک تو قرآن حکیم کا ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف تک قابل استدلال ہوتا ہے۔ آخر ہم کس بنیاد پر کلام اللہ کو بھی ایک انسانی کلام اور وہ بھی شاعری پر قیاس کرلیں؟ حالانکہ خود قرآن کریم ہی اس قسم کی خام خیالی کی تردید اس طرح کرتا ہے۔

"وما ھو بقول شاعر" (یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔

بلکہ اس نے تو شاعروں کی مذمت میں یہاں تک کہہ دیا ہے۔

والشعراء یتبعھم الغاوون۔ الم تر انھم فی کل واد یھیمون وانھم یقولون ما لا یفعلون۔ اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں کیا تم کو خبر نہیں کہ وہ (خیال آرائیوں کے) ہر میدان میں حیران و سرگردان پھرا کرتے ہیں؟ اور زبان سے وہ باتیں نکالتے ہیں جو کرتے نہیں

(شعراء : ۲۲۴ - ۲۲۶)

کیا اس تقریح و تردید کے بعد بھی قرآن حکیم کو شاعرانہ قسم ہی کا کلام قرار دینے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟

۳۔ یا پھر کیا شاعرانہ قسم کے کلام سے یہ مراد ہے کہ اس میں بجائے حقائق و معارف کے اظہار و انکشاف کے محض صحیفۂ فطرت کی جمال آرائیوں پر زور دیا گیا ہو یا مناظر قدرت کے حسن و جمال کا حال بہتر سے بہتر تشبیہات و استعارات اور خوشنما الفاظ میں قلمبند کردیا گیا ہو کہ لوگ مناظر فطرت کو دیکھیں پھر اُن کی

رعنائیوں کا بیان قرآن میں بہتر سے بہتر الفاظ میں پڑھ کر سر دھنے لگ جائیں کہ واہ واہ کیا خوب کلام ہے اور کتنے چست استعارے لائے گئے ہیں وغیرہ وغیرہ اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر آخر اس قسم کی آیات کا کیا مقصد ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم اپنے آپ کو حقائق و معارف کی ایک بلند پایہ کتاب قرار دیتا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:۔

قل انزلہ الذی یعلم السر فی السمٰوٰت والارض :- کہہ دو کہ اس (کتاب) کو اس نے نازل کیا ہے جو زمینوں و آسمانوں کے بھیدوں کو جاننے والا ہے۔ (فرقان: ۶)

اولیس اللہ باعلم بما فی صدور العلمین : تو کیا اللہ کائنات کے سینے میں موجود شدہ (اسرار کا) جاننے والا نہیں ہے؟ (عنکبوت: ۱۰)

الم تر ان اللہ یعلم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض: اے مخاطب! کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ زمین و آسمانوں کی تمام چیزوں کو جانتا ہے۔

(مجادلہ: ۷)

غور فرمائیے ان آیاتِ کریمہ میں کون سی حقیقت بیان کی جا رہی ہے اور کس راز کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے؟ ان آیات سے بطور اشارۃ النص اور دلالۃ النص ثابت ہوتا ہے کہ قرآن حکیم میں صحیفۂ فطرت کے رازہائے سربستہ بھی موجود ہیں (اس قسم کی اور بھی آیات ہیں) جن کا اظہار سنریھم اٰیتنا فی الاٰفاق وفی انفسھم الخ کے مطابق آفاقی و انفسی دلائل کے روپ میں ہوتا رہتا ہے۔ اس بنا پر قرآن حکیم میں مظاہر کائنات سے تعرض کیا گیا ہے اور اس وجہ سے قرآنی آیات میں تفکر و تدبر کو ایک محمود و مستحسن فعل قرار دیا گیا ہے۔

اگر کسی کو قرآن حقائق و معارف سے عاری اور بالکل سپاٹ نظر آتا ہے تو یہ اس کی اپنی کوتاہ بینی اور کوتاہ فہمی ہے، مگر اس کو محض شاعرانہ قسم کی خیال آرائیوں کی کتاب قرار دے دینا ایک بہت بڑا ظلم ہوگا۔ آخر اس واہیانہ خیال کی بنیاد ہی کیا ہے؟ اس قول کو باور کر لینے کے بعد تو فقہاء، صوفیاء، ائمہ اور محققین نے قرآن کے الفاظ و آیات میں جو بھی دقیقہ سنجیاں کی ہیں اور فقہ و تصوف نیز دیگر علوم کے جو بھی مسائل و حقائق مستنبط کیے ہیں سب کو دریا برد کرنا پڑے گا۔ ظاہر ہے کہ جو اعتراض مناظر قدرت والی آیات پر کیا جا سکتا ہے وہی اعتراض دیگر علوم و مندرجات پر بھی عائد ہو سکتا ہے[1]۔ آخر یہ کیا تک ہے کہ ہم بلا دلیل و بلا سند قرآن کے حسب علم و فن کو چاہیں ضروری اور حسب علم و فن کو چاہیں غیر ضروری قرار دے دیں! حالانکہ مظاہر قدرت پر بقول علامہ طنطاوی جوہریؒ قرآن حکیم میں ساڑھے سات سو آیات .... پانچسو سے زیادہ نہیں ہیں۔ تو کیا یہ ساڑھے سات سو آیتیں محض قرآن کریم کی ظاہری شان و شوکت کو بڑھانے کے لیے یا شاعرانہ خیال آرائیوں کو ہوا دینے کے لیے لائی گئی ہیں؟ کیا ہم ان تمام آیات کو ایک ہستی کے "واردات قلب" سے تعبیر کر دیں؟ شاید اس قسم کی غلط بیانیوں کے باعث مسلمان سائنسی علوم کو اب تک شجر ممنوع تصور کیے بیٹھے ہیں۔

۴۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم میں ہر طبقہ اور ہر قسم کے ذہن و فکر کی آسودگی کا پورا پورا سامان ودیعت کر دیا گیا ہے۔ فقہائے کرام اس کے فقہی و قانونی آیات سے مختلف مسائل کا استنباط کرتے ہیں تو مورخین اس کے تاریخی مباحث سے استدلال کرتے ہیں۔ علمائے فطرت متعلقات فطرت سے بحث کرتے ہیں تو دانشمندین آیات آخرت سے تعرض کرتے ہیں۔ متکلمین آیات مناظرہ و مجادلہ اور تقابل ادیان

کے مسائل چھیڑتے ہیں تو صوفیاء اخلاق و سلوک کی آیات کو زیر بحث لاتے ہیں۔ حتیٰ کہ جدید ترین علوم مثلاً سائنس، نفسیات اور اجتماعیات وغیرہ کے ماہرین بھی اس سرچشمہ ہدایت سے اپنے اپنے ظرف کے مطابق سیراب ہو سکتے ہیں ان میں سے کسی بھی علم و فن کی تحقیر نہیں کی جاسکتی اور نہ کسی علم کو محض سطحی اور شاعرانہ قرار دیا جا سکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب حکمت میں جتنی گہری نگاہ ڈالتے جایئے حقائق و اسرار کے دروازے اسی قدر کھلتے چلے جائیں گے جن کی انتہا نہیں ہے۔ ترمذی کی ایک حدیث میں ہے۔ "ولا تنقضی عجائبہا" اور اس کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے۔

قرآن حکیم کے متعلق یہ کہہ دینا کہ موجودہ علوم و مسائل سے اس کو کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔ گویا یہ کہنا ہے کہ وہ چودہ سو سال قبل کی ایک پرانی اور فرسودہ کتاب ہے۔ جو نہ تو موجودہ معاشرہ اور موجودہ تہذیب و تمدن پر منطبق ہو سکتی ہے اور نہ وہ عصری تقاضوں کے مطابق کوئی رہنمائی کر سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید ہر دور کے لیے ایک رہنما کتاب ہے جس میں کسی بھی دور میں پیدا ہونے والے ذہنی و قلبی امراض کا کافی و شافی علاج موجود ہے اور یہ علمائے کرام کا فریضہ ہے کہ وہ ہر دور کے حالات و تقاضوں کے مطابق (بتقاضائے بکلموا الناس علی قدر عقولهم) قرآن حکیم سے نئے نئے مسائل کا استنباط کر کے موجودہ الحاد و لادینیت اور خدا بیزاری و آخرت فراموشی کے سیل رواں کا مقابلہ کریں اور منکرین و معاندین پر (بتقاضائے وجادلهم بالتی هی احسن) اتمام حجت کریں۔

سوال یہ ہے کہ جب قرآن کریم میں قیامت تک کی ضرورتوں کے مطابق

شرعی مسائل موجود ہو سکتے ہیں[1] تو پھر گمراہیوں کے استیصال اور فکر و نظر کی اصلاح کے لیے تکوینی (نیچرل) مسائل کیوں نہیں ہو سکتے؟ حالانکہ شرعی مسائل پر عمل پیرائی سے پہلے تکوینی امور میں فکر و نظر کی اصلاح کی زیادہ ضرورت ہے۔ یعنی ایک عملی انقلاب یا نشاۃ ثانیہ سے پہلے ایک فکری و نظریاتی انقلاب برپا کرنا بہت ضروری ہے۔

وہ زمانہ لدگیا جب لوگ محض کسی معجزہ کو دیکھ کر یا کسی کی سیرت اور حسن اخلاق سے متاثر ہو کر ایمان لے آیا کرتے تھے۔ اب اخلاق و کردار تک کوئی معیاری چیز نہیں رہے۔ بلکہ اس کو بھی فرسودگی کی علامت یا بورژوائی ذہنیت کی پیداوار قرار دیا جاتا ہے[2] عصر جدید کی ذہنیت اور اس کا عقلی معیار یہ ہے کہ صرف اسی چیز کو قبول کیا جائے جو خالص سائنٹفک نقطۂ نظر سے ثابت ہو یا جو عقل کے معیار پر پوری اترنے والی ہو۔ اس لحاظ سے موجودہ ذہن و

---

[1] مثلاً امام شافعیؒ کا قول تھا کہ دینی امور میں جو بھی مسائل و حوادث پیش آئیں گے ان تمام کا حل اور ان کے دلائل بھی کتاب اللہ میں مل جائیں گے۔ اور ابن عباسؓ کا دعویٰ تھا کہ اگر میرے اونٹ کی رسی بھی گم ہو جائے تو میں اس کو کتاب اللہ میں ڈھونڈھ نکالوں گا۔ اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں تم سے کوئی بھی بات کہوں تو اس کی تصدیق کتاب اللہ میں دکھا سکتا ہوں۔ ملاحظہ ہو: الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۱۲۶ مطبوعہ مصر اور حدیث شریف میں ہے: لن تضلوا ما تمسکتم بہما: جب تک تم کتاب و سنت کا دامن تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔

[2] "ڈارونزم" نے اس ذہنیت کو مزید ہوا دی ہے۔

دماغ میں جو سوالات سمائے ہوئے ہیں وہ یہ ہیں کہ یہ کائنات کیا ہے؟ کیوں اور کس لیے وجود میں آئی؟ انسان کا اس کائنات کے ساتھ کیا تعلق ہے اور اس کی اصل پوزیشن کیا ہے؟ آیا انسان اور کائنات کا کوئی متعین انجام بھی ہوگا یا یہ کارخانہ یوں ہی چلتا رہے گا؟ یہ اور اس قسم کے سوالات ہیں جو موجودہ فکر و نظر کا محور بنے ہوئے ہیں۔

اب اس استدلالی ذہن و فکر کو متاثر و مطمئن کرنے کے لیے خالص سائنٹفک دلائل کی ضرورت ہے۔ نقل و روایت یا تاریخ و جغرافیہ سے اب کام نہیں چلے گا۔ موجودہ ذہنیت کا مقابلہ اور اس کا توڑ صرف وہی مذہب کر سکتا ہے جو اس معیار پر پورا اترنے والا اور علمی و سائنٹفک دلائل کے ذریعہ پوری نوع انسانی پر اتمام حجت کرنے والا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں کائنات کے حقائق اور ان کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ عصری تقاضوں کے مطابق علمی و سائنٹفک دلائل کا استنباط کیا جاسکے اور اس قسم کے دلائل کو جو قرآن کی روح اور اس کے فلسفہ سے مطابقت رکھنے والے ہوں، آفاقی و انفسی دلائل کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اور موجودہ مادہ پرستی کا "ذہنی آپریشن" صرف ان ہی دلائل سے ممکن ہو سکتا ہے۔